Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 4, Issue 4
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ذکیہ خورشید
اسکالر پی ایچ۔ڈی اردو لاہور گیریژن یونیورسٹی،لاہور
ڈاکٹر عطاالرحمن میو
ایسوسی ایٹ پروفیسر،شعبہ اردو،لاہور گیریژن یونیورسٹی،لاہور

محمد حفیظ خان کے ناول "ادھ ادھورے لوگ" میں عائلی زندگی: تجزیاتی مطالعہ

Zakia Khurshid
Scholar Ph.D,Urdu Lahore Garrison University, Lahore
Dr. Atta Ur Rehman Meo
Associate Professor, Department of Urdu Lahore Garrison University, Lahore

Family Life In Muhammad Hafeez Khan's Novel "Adh Adhore Log": An Analytical Study

Muhammad Hafeez Khan occupies a prominent position in Urdu literature of the 21st century. He is a novelist, fiction writer, playwright, columnist, researcher, critic and poet at the same time. About thirty of his books have been published, including four novels; Adh Adhore Log, Kirknath, Mantara and Anwasi have been published. He has effectively portrayed the social and family life of the elite in the present era where the psychology of women and the tension of their family life can be clearly seen. Family life basically means married life of husband and wife. Family life constitutes a family, which is the basis of the social system. This small organization formed by husband and wife and children is the biggest link in the cultural life of man. This article discusses the family life in Mohammad Hafeez Khan's novel "Adh Adhore Log".
Key Word: Elite, Exploitation, FamilyLife, Political Conflict, Allegation, Suffering, Pretense

کلیدی الفاظ:اشرافیہ،استحصال،عائلی زندگی،سیاسی تصادم،مورودِالزام،مصائب،ڈھونگی

محمد حفیظ خان اکیسویں صدی کے اردو ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔وہ بیک وقت ناول نگار،افسانہ نگار،ڈرامہ نگار،کالم نگار، محقق، نقاد اور شاعر ہیں۔انھوں نے کئی حیات افروز فن پارے تخلیق کیے جن میں گہرا سماجی شعور پایا جاتا ہے اور وہ سماج پر عمیق نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ان کی کم و بیش تیس کے قریب کتابیں شایع ہو چکی ہیں جن میں چار ناول؛ادھ ادھورے لوگ، کرک ناتھ، منتارا اور انواسی شایع ہو چکے ہیں۔انہوں نے عہد حاضر میں اشرافیہ کی سماجی اور عائلی زندگی کو مؤثر انداز میں پیش کیا ہے جہاں خواتین کی نفسیات اور ان کی عائلی زندگی کی کشمکش کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔عائلی زندگی سے مراد بنیادی طور پر میاں بیوں کی ازواجی زندگی ہے۔عائلی زندگی ایک خاندان تشکیل دیتی ہے۔جو معاشرتی نظام کی بنیاد ہے۔میاں بیوی اور بچوں سے مل کر تشکیل پانے والا یہ چھوٹا سا ادارہ انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے بڑی کڑی ہے۔

انسان کی مل جل کر رہنے کی جبلت کی ابتدا اس کی عائلی زندگی سے ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے ماں باپ کے زیر سایہ پرورش پا رہا ہوتا ہے۔ اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں تنہائی سے خوف زدہ ہوتا ہے اور اپنے ارد گرد افراد کو دیکھ کر تسلی حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو پا کر اپنے خوف سے آزادی پاتا ہے اور اسی مشترکہ زندگی کو اپنی بعد کی سماجی اور اجتماعی زندگی میں بروئے کار لا کر ادارے بناتا ہے:

"پیدائش کے وقت فطرت کے ساتھ اپنے سابقہ رشتے کو توڑنے کے ساتھ ہی ہر انسان دیگر انسانوں سے بھرے ہوئے اس جہان میں تنہا ہو جاتا ہے۔ اس صورتِ حال میں اگر وہ دوسروں کے ساتھ سنگت قائم نہ کر سکے تو تنہائی، بے بسی اور ناطاقتی کے احساس میں گھٹ کر مر جائے۔"(1)

اگرچہ انسان دُنیا میں تنہا آتا ہے اور واپسی کا سفر بھی تنہا ہی کرتا ہے۔ لیکن اس دُنیا کی زندگی تنہا گزارنا اس کے لئے ممکن نہیں۔ اسی لئے اسے خاندان اور معاشرے میں دوسرے افراد کے ساتھ مل جل کر منظم طور پر رہنا پڑتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں عائلی زندگی کے حوالے سے طرح طرح کے مسائل پائے جاتے ہیں۔ زمین کی تقسیم، وٹہ سٹہ جیسے مسائل عام ہیں۔ وٹہ سٹہ میں ایک شادی شدہ جوڑا تو اپنی زندگی میں خوش ہے لیکن دوسرے جوڑے میں خدانخوستہ ناچاقی پیدا ہو جائے تو خاندانی دباؤ کے باعث خوشگوار زندگی گزارنے والا جوڑا بھی متاثر ہوتا ہے۔ ایک جوڑے کی علیحدگی دوسرے کی علیحدگی کا باعث بن جاتی ہے۔ اس طرح سے دو خاندان برباد ہو جاتے ہیں۔ ایسی بہت سی مذموم سماجی رسوم و روایات ہمارے معاشرے میں بہت مضبوط اور مستحکم ہو چکی ہیں۔ جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ صدیوں تک ہندو معاشرے کے ساتھ رہتے ہوئے مسلمانوں کے اندر جڑ پکڑ چکی ہیں۔ جن سے خلاصی ممکن نظر نہیں آتی۔

عجب المیہ ہے کہ ان تمام بُری روایات اور ہندوانہ رسومات (کاروکاری، ونی، وٹہ سٹہ، بیوہ کو منحوس سمجھنا، طلاق یافتہ کی پُر آشوب زندگی) کا شکار صرف اور صرف عورتیں ہی ہیں۔ جنہیں اسلام نے ہر رشتہ اور ہر حیثیت سے بلند مرتبہ دے کر عزت بخشی ہے۔ عائلی زندگی کا دائرہ صرف میاں بیوی اور بچوں تک محدود نہیں بلکہ اس میں بہن بھائی، والدین اور دیگر رشتہ دار بھی شامل ہیں۔ جو زندگی کے سفر میں ہمارے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ تعلقات اور رشتہ داریاں بھی میاں بیوی کے باہمی تعلق پر اثر انداز ہوتی ہیں اور تنگی اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں گھٹن کے حوالے سے ارشد محمود ایک اور معاشرتی رویئے کی نشاندہی کرتے ہیں:

"ہمارے ہاں سب زبردستی کے رشتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے اگر کچھ کیا جاتا ہے تو صرف اس لئے کہ دُنیا کیا کہے گی یا پھر قربانی کا بکرا بن کر ماں، باپ، بہن اور بھائیوں کی خوشیوں کے لئے اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔"(2)

فرد کی خوشی کو اولین حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ یہ نہیں کہ دوسروں کی یا خاندان کی خوشیوں کے لئے اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا جائے۔

محمد حفیظ خان کے ناولوں میں جہاں دیگر معاشرتی رویوں کی عکاسی کی گئی ہے وہاں عائلی زندگی کی عکاسی بھی جابجا نظر آتی ہے۔ ان کا ناول "کرک ناتھ" میں اشرافیہ کی جانب سے جنسی استحصال، سوشل میڈیا کے غلط استعمال، قیدیوں سے غیر انسانی سلوک اور ظلم و جبر کی داستان کو رقم کیا گیا ہے۔ کرک ناتھ نام بہت معنی خیز ہے۔ سیاہ رنگ، سیاہ خون، سیاہ ماس اور سیاہ ہڈیوں والے مرغ کو کرک ناتھ کہتے ہیں۔ محمد حفیظ خان کا ناول "منتارا" قومی سیاست اور اقتدار کی کشمکش کے علاوہ عورت کو ہر جائز و ناجائز کام کے لیے بطور مہرہ استعمال کرنے کی روداد ہے۔ ''یہ جو عورت ہے'' کی فکری تحریک کے ذریعے حفیظ خان عورت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ برائی کے پردے میں اچھائی تلاش کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

ان کے ناول "انواسی" میں دو کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ان کہانیوں میں 1872ء سے 1875ء کے درمیانی تین سالوں میں انگریز سرکار کی طرف سے دریائے ستلج کے دو کناروں کو ملانے کے لیے دریا پر پل بنانے اور اس پر سے ریل گاڑی گزارنے کی کوشش شامل ہے جس کے خلاف آدم واہن بستی کے لوگوں نے بھرپور مزاحمت کی۔ دوسری کہانی "سنگری" کی ہے جو اپنی خوبصورتی، مزاج، احساس اور فکر کی وجہ سے پریشانیوں کا شکار رہتی ہے اور اسی طرح وہ سیلاب کے دوران ملبے تلے دب کر مر جاتی ہے۔

محمد حفیظ خان کے ناول "ادھ ادھورے لوگ" خطے کی مشکلات، محرومیوں کی وجوہات اور اس کے منفی اثرات اور نتائج کو بیان کرتے ہوئے اس دور کے معاشرے کی کمزوریوں اور خامیوں کے ساتھ ساتھ اخلاقی طور پر زوال پذیر تہذیب و تمدن اور بے حس صاحب اقتدار لوگوں کی سیاہ کاریوں، مفاد پرستی سے پردہ اٹھایا ہے۔

بہاولپور تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے ساتھ الحاق ہوا اور بعد میں ون یونٹ کا قیام اور پھر ون یونٹ کا خاتمہ کے واقعات نے اسے ایک ڈویژن کے طور پر صوبے کا حصہ بنا دیا۔ اس خطے سے تعلق رکھنے والی رعایا کا حال بہت برا ہو گیا۔ وہ ایک مثالی ریاست کا خواب دیکھ رہے تھے لیکن سارے خواب بس خیال بن کر رہ گئے۔ حالات بگڑے اور پھر کبھی نہ سنبھلے۔ آزادی کے متوالوں کی کوششیں بھی کار گر ثابت نہ ہو پائیں۔ الگ شناخت کا خواب پھر کبھی پورا نہ ہو سکا۔ ہزاروں آنکھیں ویران ہو گئیں۔

"ادھ ادھورے لوگ" میں محمد حفیظ خان نے ریاست بہاولپور کی اجتماعی ثقافتی اور تہذیبی روح کو تلاشنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ایسی تہذیب جسے تقسیم ہند کے بعد مختلف ادوار سے گزرنا پڑا اور اس تغیر و تبدل نے اس پر منفی اثرات مرتب کیے۔ ناول نگار نے ریاست کی ایک لمبی تاریخی اور ثقافتی و تہذیبی شناخت کی جدوجہد کی مرقع کشی بڑے ہی خوبصورت الفاظ میں کی ہے۔ ناول نگار نے اپنے کرداروں کے ذریعے ریاست بہاولپور کی تہذیب و تمدن اور رسوم و روایات، لسانی شناخت اور تہذیبی روح کے نسل در نسل سفر کا جائزہ لیا ہے۔ ناول نگار نے بہاول پور کے ثقافتی تہواروں کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ "ادھ ادھورے لوگ" میں بے بس، محروم اور بے سہارا افراد کی نمائندگی کی گئی ہے۔ قوتوں کے ہاتھوں عوام کا استحصال، ظلم و ستم میں پستی عوام، طبقہ نسواں کے مسائل، ان کے حقوق کی پامالی، صاحب اقتدار کی من مرضیاں اور عوام کی بدحالی کا بیان بڑی خوبصورتی سے ملتا ہے یہ حفیظ خان کی ایک خوبصورت تحریر ہے۔ جس کے موضوعات میں سماجی جبر و استحصال، مذہب کے نام پر حقوق کی پامالی، ضعیف الاعتقادی، انا پرستی، طبقہ نسواں کے مسائل، تقسیم ہند کے بعد کے واقعات اور وقت کی ستم ظریفی شامل ہے۔

ہندوستان کی تقسیم ایک ایسا واقعہ ہے جس نے نہ صرف زمین کو تقسیم کیا بلکہ خاندانوں اور رشتوں کو بھی تقسیم کیا۔ اس ناول میں تقسیم ہند سے پہلے اور بعد کے حالات کی تصویریں ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل ریاست بہاولپور کے لوگوں کے حالات زندگی کیا تھے، ان کے رسم و رواج کیا تھے، ان کی ثقافت اور تہذیب کا دائرہ کیا تھا۔ کام کیا تھا، لوگوں کے خیالات اور طریقے کیا تھے اور تقسیم ہند کے بعد ہونے والے فسادات، حالات، واقعات، مسائل اور عوامی استحصال کا ذکر ہے۔ ریاست بہاولپور کے لوگ کیسے اپنی الگ شناخت کے لیے ترس رہے تھے لیکن ہر کوشش رائیگاں گئی۔

تقسیم ہند کے بعد کے واقعات نے خاندان کے خاندان توڑ دیے۔ نسلیں در بدر ہو گئیں۔ مثالی ریاست کا خواب دفن ہو کر رہ گیا۔ ان کی تہذیب و ثقافت ماضی کی داستان لگنے لگی۔ لیکن ان کی تہذیب و ثقافت، الگ تشخص، الگ شناخت کی خواہش، وطن سے محبت اور اقدار کے زندہ اجزا وقت کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے اگلی نسلوں میں منتقل ہوتے چلے گئے۔ کسی بھی خطے کی تہذیب اور ثقافت کو تباہ کرنے میں اس عہد کے حالات، سیاسی تصادم، جبر و استحصال اور حقوق کی پامالی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وقت آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیاں انفرادی اور اجتماعی سطح پر ہر شعبہ زندگی کو متاثر کرتی رہتی ہیں لیکن کچھ کردار اس عہد کے ثقافتی نمائندے کے طور پر ہمیشہ سامنے آتے رہتے ہیں۔

ناول کا مرکزی کردار فیاض ہے وہ ایک پڑھا لکھا سوبر نوجوان ہے حکمت سیکھنے کی طلب لیے حکیم رام لعل کے حکمت خانے میں آتا ہے اس کی زبان اس کے پڑھے لکھے کردار کے مطابق ہے۔ کوئی فحش الفاظ کا استعمال اس کے کردار کا حصہ نہیں۔ حکیم رام لعل ہندو دھرم سے تعلق رکھتا ہے اس کی زبان میں ہندی، سرائیکی اور اردو الفاظ کی آمیزش نظر آتی ہے۔ وادھوا اور دھچران پڑھ لوگ ہیں۔ ان کا انداز گفتگو ان کے کرداروں کی مناسبت سے ہے وہ سیدھے سبھاؤ رکھنے والے سادے لوگ ہیں۔ بس جو منہ میں کہہ دیا کوئی بناوٹ کوئی جھوٹ شامل نہیں۔ لیکن کہیں کہیں وہ کچھ ایسے الفاظ کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں جو ایک مہذب شخص استعمال نہیں کرتا۔ رادھی ایک منفی کردار ہے۔ اس کی زبان بھی اس کے کردار کے مطابق ہے۔ ناول نگار نے اپنے ہر کردار کے ساتھ انصاف کیا ہے وہ جس طبقے سے تعلق رکھتا ہے اس کی زبان بھی اسی طبقے میں استعمال ہونے والی زبان ہے۔ ان کے بول چال میں بھی عائلی زندگی کے آثار ملتے ہیں جیسے عورت کا وجود ہی عائلی زندگی کا اصل ہو۔ یہ اقتباس دیکھیے:

"اووادھو یار۔۔۔ عورتوں کے بغیر بھی گھر گھر نہیں رہتے رل جاتے ہیں۔ میری عورت بھی تیری عورت کی طرح منہ میں متھے والی ہوتی پتر جن کے بیٹھی ہوتی تو میں بھی اس سے ملنے کی آس میں ٹھنڈی آہیں بھرا کرتا۔"(3)

یہاں ایک طرف تو عورت کے وجود کو گھر کا لازمی جزو قرار دیا جارہا ہے تو دوسری طرف بیٹا نہ دینا بھی عورت کو ہی قصور وار ٹھہرایا جارہا ہے۔ حقیقی زندگی کا یہ عکس حفیظ خان کے ہاں بکثرت ملتا ہے۔ ان کی سوچ، نظریات، رہن سہن، انداز گفتگو، الفاظ کا استعمال، رویے، طور طریقے، عقائد سب نے قاری کو اس عہد کی ثقافت اور تہذیب کو سمجھنے میں کافی معاونت فراہم کی ہے۔ انھوں نے اپنے کرداروں کے ذریعے بڑی بے باکی سے اور حقیقت پسندانہ طریقے سے اس دور کے ثقافتی اور تہذیبی حالات کو قاری کے سامنے رکھا ہے۔

محمد حفیظ خان نے اپنے ناول ''ادھ ادھورے لوگ'' میں ریاست بہاولپور کے ایک مخصوص خطہ کی تہذیب و تمدنی زندگی کے رنگوں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ عائلی زندگی کو بھی اجاگر کیا ہے۔ اس ناول میں ناول نگار نے عورتوں کی بے حرمتی، جذبات کی پامالی اور مردوں کی انا پرستی پر بڑی دلیری سے لکھا ہے۔ ہماری ثقافت اور معاشرے میں مردوں کا رویہ یہی ہے۔ اسے ایک عام بات سمجھا جاتا ہے۔ عورت کو ہمیشہ کمزور، بے بس اور لاچار سمجھا جاتا ہے۔ مرد کو اس کا سربراہ بنایا جاتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ جانور جیسا سلوک کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس دور کی تہذیب و تمدن کا حصہ رہنے والے انسان کا کردار وہ ہے جو خود بچے پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم تھا لیکن وقتاً فوقتاً اپنا سارا غصہ اپنی بیوی مہراں پر نکالتا تھا۔ اماں کے سمجھانے کے باوجود اپنی کمی چھپانے کے لیے اس پر تشدد کرتا تھا۔ وہ اسے بے اولاد ہونے کا طعنہ دیتا تھا۔ وہ اپنے دوستوں کے سامنے بھی اس کا ذکر برے الفاظ میں کرتا تھا۔ وہ اس کے بارے میں غلط باتیں کہتا تھا۔ اس نے اسے بدصورت کہا اور اس پر برے سلوک کا الزام لگایا۔

دراصل یہ معاشرے کے مرد کی فطرت ہے وہ بے اولادی کا سارا الزام ہمیشہ عورت پر ہی دھرتا ہے اور کبھی بھی اپنی کمی کو تسلیم نہیں کرتا۔ عورت بے چاری ساری زندگی اسی الزام کے ساتھ زندگی کے دن پورے کرتی ہے اور اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا نہ وہ کسی کو حقیقت بتا سکتی ہے۔ اندر ہی اندر اپنی تذلیل اور بے عزتی پر دل جلاتی ہے لیکن منہ سے ایک لفظ ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ مہراں وادھو کی کمی سے واقف تھی وہ جانتی تھی کہ وادھو کبھی بھی باپ نہیں بن سکتا لیکن پھر بھی وہ اس کی مار کھاتی تھی۔ الزام برداشت کرتی تھی کیونکہ اس کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا لیکن آخر کب تک کوئی ایسا لمحہ بھی کبھی آجاتا ہے جب عورت کی ہمت بھی جواب دے دیتی ہے اور ایسا ہی لمحہ مہراں کی زندگی میں بھی آگیا تھا۔ جب وادھو لاکھ سمجھانے کے باوجود نہ تو حکیم رام لعل کے پاس گیا بلکہ الٹا مہراں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا تو مہراں نے بھی حقیقت سب کے سامنے رکھ دی۔ ناول نگار مرد ذات کی بے رحمی کے نتیجے میں مہراں کی اس وقت کی کیفیت کو کچھ ایسے بیان کرتے ہیں:

"آج تو وادھو گھر میں طیش کا ٹوکرہ سر پر اٹھائے ہوئے داخل ہوا تھا۔ آتے ہی کوئی کان قصور نہ ہوتے ہوئے بھی دو تین بجو اپنی بیوی مہراں کے منہ پر جڑ دیئے۔۔۔۔۔ کچھ تو شرم کرو کیوں مار رہے ہو بے چاری کو۔۔۔ اماں تو طرف داری نہ کیا کر اس بانجھ کی۔۔۔۔۔۔ وادھو کی بیوی ساس کی گرفت سے نکلتے ہوئے سینہ تان کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ مان لیا کہ میں بانجھ ہوں دفع کر مجھے اور لے آ کوئی دوسری اس گھر میں۔۔۔۔ میں بھی دیکھوں نہ کہ کتنے دنوں بعد تمہارے بچے کھیلتے ہیں اس دالان میں۔۔۔ اس نے ہانپتے وادھو کو گردن سے پکڑا اور اس کو نیچے کی طرف دوہرا کرتے ہوئے پیٹ میں گھٹنے کی ایک کاری چوٹ سے کچے آنگن میں پشت کے بل گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھی۔"(4)

ایسے مناظر کئی گھروں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بچے پیدا نہ ہونا صرف عورت کو ہی موردِ الزام ٹھہرانا ٹھیک نہیں ہے۔ مرد میں بھی بیمار ہو سکتا ہے ہے لیکن برصغیر پاک و ہند، ہر دو اطراف میں عورت ہی اس کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ناول نگار نے ناول میں زندگی کے ہر پہلو کو بڑی باریکی سے دیکھا تجزیہ کیا اور حقائق کو بیان کیا ہے کہیں ان کا اسلوب نگارش پیچیدہ بھی ہو جاتا ہے۔

محمد حفیظ خان کا ہر کردار اپنی الگ کہانی بیان کرتا نظر آتا ہے اور ہر کردار ریاست بہاولپور کی ثقافت اور تہذیب کی عکاسی بھی کرتا ہے، مہراں کا کردار بھی ایسے کرداروں میں سے ایک ہے۔ جو ناول میں اہم حیثیت رکھتے ہیں مہراں کے ذریعے اس دور کے ایسے کرداروں کی عکاسی کی گئی ہے جو کمزور ایمان رکھتے ہیں۔ پہلے

تو مرد کو اپنا کل مختار مان کر اس کی مار کھاتی ہیں لیکن پھر غصہ میں آکر مرد ذات کو نیچا دکھانے کے لئے اپنی عزت کو بھی داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ تو ہم پرستی کا شکار ہوتی ہیں۔ اس ناول میں اس دور کے لوگوں کی توہم پرستی، نظریات اور ان کے عقائد کا ذکر بھی ملتا ہے۔ انہیں حقوق اللہ تو بھولے ہوئے ہیں لیکن پیر پرستی کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ لوگ پیروں، فقیروں کے ڈھیروں پر جا کر اپنا ماتھا ٹیکتے ہیں اور اپنے مسائل کا واحد حل پیروں فقیروں کو ہی سمجھتے ہیں۔ جو ہوس کے پجاری ان کی جوان بیٹیوں کی عزتیں جن نکالنے کے نام پر پامال کرتے ہیں۔ جن نکلوانے جیسی غلیظ حرکت جو صدیوں سے چلی آرہی تھی یہ جانے بغیر کہ دین میں اس کی کوئی گنجائش نہیں بس دیکھتے آئے اور بنا جانے اندھی تقلید کیے جا رہے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑوں کو جو کرتے دیکھا جاتا ہے بنا اس کی تصدیق کیے کہ یہ عمل درست بھی ہے کہ نہیں اس کی پیروی جاری رکھی جاتی ہے پیروں فقیروں پر اندھا اعتماد بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جو کہ عقل و شعور پر سوال کھڑا کرتا ہے۔

مہراں ایک خوبصورت اور صحت مند عورت تھی اس کا شوہر باپ بننے کی صلاحیت سے محروم تھا لیکن وہ سارا الزام مہراں پر لگاتا تھا۔ مہراں بھی اس سے روز مار کھا کھا کر بہت تنگ تھی۔ اس کے رویے اور ظلم و ستم سے تنگ آکر وہ اپنی ساس کی بات ماننے پر تیار ہو جاتی ہے۔ جو اسے ایک بہت پرانی رسم ہڈی بدلنا کے لیے کہتی ہے۔ یہ ایک بہت پرانی رسم ہے جس میں اپنی نسل کو آگے بڑھانے کے لئے کوئی عورت کسی غیر مرد کو اپنا آپ سونپ دیتی ہے۔ وادھو کی ماں مہراں کو لے کر پہلے حکیم فیاض کے پاس جاتی ہے اس کی منت سماجت کرتی ہے کہ وہ اس کی بہو کی گود بھر دے اور وادھو کی بیوی سے چٹائی بدل لے لیکن جب فیاض اس غلیظ کام کے لیے تیار نہیں ہوتا تو پھر وہ مہراں کو لے کر پیر بھوپے کے آستانے پر چلی جاتی ہے۔

پیر بھوپے کے آستانے پر جن نکالنے کے نام پر عزتوں کے سودے کیے جاتے تھے اور عقل و شعور سے عاری لوگ اپنی بیٹیوں کو ان درندوں کے حوالے خود اپنی مرضی سے کر آتے تھے تو وہ ان کے جسموں کو نوچ ڈالتے تھے۔ مہراں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا وہ وہاں اپنی عزت گنوا بیٹھتی ہے۔ لیکن کیسی سوچ تھی کیسی رسم تھی کہ انھیں اس بات پر ندامت کا احساس بھی نہیں تھا۔ ان کو بس اپنی غرض سے مطلب تھا۔ ہماری ثقافت ہماری تہذیب ہمارا دین کیا کہتا وہ سب بھول چکے تھے۔ بھوپے سے جن نکلوانے کے بعد مہراں ایک بیٹے کی ماں تو بن جاتی ہے لیکن کبھی بھی اپنے شوہر کی نظروں میں وہ عزت اور مقام نہیں حاصل کر سکتی جو ایک عورت کا خواب ہوتا ہے۔ ایک عورت اپنی عائلی زندگی کو بچانے کے لیے کیا کیا قربانی دیتی ہے۔

مہراں بھی جب سے بھوپے کے آستانے سے جن نکلوا کر آئی تھی اس کا رویہ اور مزاج یکسر بدل گیا تھا۔ اسے اس بات کا احساس تک نہ تھا کہ وہ عزت جیسی قیمتی چیز بس اپنی انا کی تسکین اور وادھو کو نیچا دکھانے کی خاطر گنوا آئی ہے۔ اس کی ساس بھی بہت خوش اور مطمئن تھی کہ اب وادھو کی نسل آگے بڑھے گی اور کوئی وادھو کو بے اولادی کے لیے ٹکے ٹکے کی باتیں نہیں سنائے گا۔ جب اسے یہ خوش خبری ملی کہ مہراں امید سے ہے کیسی ساس تھی کہ اپنے بیٹے کی نسل کو آگے بڑھانے کے لئے گناہ کر آئی اور اسے ذرا برابر ندامت بھی نہ تھی۔ وہ اس خوشخبری کو جلد از جلد گلی محلے اور خاندان والوں کو بتانا چاہتی ہے اور بڑی بے چین نظر آتی ہے:

"بچہ. اچھی طرح سے جیو۔ یہاں تک کہ اگر آپ شریکوں کو نہیں بتاتے ہیں، تو وہ جان لیں گے. بہر حال یہ ایک خوشی کا موقع ہے۔ ہم اسے کیوں چھپائیں؟ میں ایک پلیٹ بتاشے، الائچی اور جلیبیاں تقسیم کروں گا، لیکن کپڑوں کا ایک جوڑا۔ اور سوا روپیہ کی مکھ وہ دے گا۔ اگلے منگل کو ہم بھوپے کے دربار ان کا شکریہ ادا کرنے جائیں گے۔ اس نے ہماری گود کو کس طرح ہری بھری کر دیا۔"(5)

ہمارے معاشرے میں عورت ذات کو ہمیشہ پاؤں کی جوتی تصور کیا جاتا ہے۔ گھر کو سنبھالنے والی ملازمہ سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اسے آنکھ کھولتے ہی یہ بات ذہن نشین کرا دی جاتی ہے کہ اس کی پہچان اور شناخت مرد کے ساتھ جڑے رہنے میں ہے۔ مرتے دم تک مرد سے وفا کرنا اس کی گھٹی میں گھول کر پلا دیا جاتا ہے۔ انھیں خواب دیکھنے، آرزوئیں پالنے اور دل میں امنگیں جگانے کا حق حاصل نہیں۔ وہ مرد کی مرضی سے جیتی ہیں۔ مرد کی مرضی سے مسکراتی ہیں اور مرد کی مرضی سے روتی ہیں۔ وہ معاشرے کا کمزور اور بے بس طبقہ ہیں جو ہر کام کے لیے مرد کی مرہون منت ہے۔ اس کا اپنا کوئی وجود اپنی کوئی شناخت اور پہچان نہیں۔ اکیلی عورت کا اس مرد اساس معاشرے میں کوئی مقام اور مرتبہ نہیں۔ مرد بھیڑیے کی طرح اکیلی عورت پر جھپٹنے کو تیار رہتے ہیں۔ مرد کے بغیر عورت مال مفت سمجھی جاتی ہے۔ اسے اپنی مرضی سے کچھ بھی کرنے کی اجازت نہیں۔

ناول نگار نے ایسا ماحول بیان کیا ہے جہاں عورت کو کوئی خواب دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر وہ ایسی کوئی غلطی کر لیتی تو اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ لڑکیاں ادھورے وجود کے ساتھ ساتھ کبھی نامکمل ہونے والی خواہشات دل میں پال لیتی تھیں لیکن اپنی تہذیب اور ثقافتی بیڑیوں میں ادھورے خوابوں کے ساتھ بھی مکمل زندگی جینے کا ہنر سیکھ جاتی تھیں۔

ناول نگار اس حقیقت سے بڑی بے باکی سے پردہ اٹھاتا ہے کہ عورت بعض اوقات اپنی خواہشات کے حصول کے لئے غلط راستوں کا انتخاب کر لیتی ہے اور کسی ایک کے متعلق دیکھے گئے خواب کسی دوسرے کے وجود میں پناہ لے کر مکمل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جو کسی بھی ثقافت اور تہذیب میں غلط تصور کیا جاتا ہے۔ اس ناول میں تلسی اور مہراں ایسے ہی کرداروں کی عکاسی کرتے ہیں ہیں۔ تلسی فیاض کو پسند کرتی تھی لیکن ہندو دھرم سے تعلق رکھنے کی وجہ سے فیاض بھی اس سے دور بھاگتا تھا۔ آخر کار وہ فیاض کے رویے سے مایوس ہو کر رادھی کے بیٹے وشنو سے شادی پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ تلسی خواب تو فیاض کے ساتھ کا دیکھتی ہے مگر سماجی مجبوری کی وجہ سے وشنو سے شادی پر مجبور ہے۔ اس کے دل میں جس کا تصور تھا وہ وشنو کے بجائے فیاض ہے لیکن وہ روایات سے بغاوت نہیں کر سکتی۔ ناول نگار نے عورت ذات کے دل کی کیفیت کو بڑے خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ہماری قسمت کی لونڈیاں کیسے آنکھیں کھولتی ہیں، جہاں شعور کی پہلی جھلک کے ساتھ ہی اپنی زندگی بسر کرنے کے بجائے انسان کے وجود سے جڑی جونک بننے کا یقین دلایا جاتا ہے، اگر جونک سمجھدار ہے تو اسے چٹکی دی جائے گی، خون چوسے گی، اور اگر اپنے پاؤں پر جمے رہنے کا بہانہ کرے گی تو اس دشمنی کے باوجود اسے پھینک دیا جائے گا۔ اپنے وجود کو مکمل کرنے کی خواہش میں وہ کچھ ایسی خواہش پالتے ہیں کہ اس کی تکمیل کا امکان صفر سے زیادہ نہیں ہوتا۔ لیکن مقابلہ کرنے کا فن سیکھتا ہے جس کی مدد سے باقی زندگی گزارنا ممکن ہو جاتا ہے۔"(6)

"ادھ ادھورے لوگ" میں ناول نگار نے مختلف عائلی پہلوؤں کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے جس میں اس دور کی شادی کی رسومات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ رسمیں کسی بھی ثقافت کا حسن ہوتی ہیں۔ اس دور میں جب لڑکی کا مکلوہ یعنی شادی کا دن قریب آتا ہے تو اس پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں۔ سات پردوں میں رکھا جاتا ہے۔ باہر آنے اور جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ کسی کام کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ کوئی دروازہ کھٹکھٹائے تو دروازے تک جانے کی اجازت نہیں۔ یہاں تک کہ دھوپ میں بیٹھنا اور کچن میں جانا بھی منع ہے۔ دلہن کے ساتھ شہزادی جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ جب تک اسے گھر کا خیال رکھنا ہے، شادی سے کم از کم چند دن پہلے اسے آرام دینا چاہیے تاکہ وہ اپنا خیال رکھ سکے۔ یہ منظر ملاحظہ فرمائیں:

"جوں جوں تلسی کے مکلاوے کے دن قریب آرہے تھے۔۔۔۔ تلسی پر بھی عجیب قسم کی پابندیاں لگنی شروع ہو گئیں۔ کنڈی کھڑکنے پر وہ نہیں جائے گی بلکہ نئی رکھی ہوئی نوائن جائے گی، دھوپ میں نہیں بیٹھے گی، رسوئی میں داخل نہیں ہو گی اور کام کاج نہیں کرے گی۔ اس سونے پر سہاگہ کئی قسم کے لیپ منہ کے علاوہ سارے بدن پر کرنے کے واسطے ارائنیوں کا آنا جانا الگ سے شروع ہو گیا۔"(7)

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ گھروں میں کوئی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے تو خواتین اس کا مسئلے کا حل پیروں فقیروں کے آستانوں کے پر تلاش کرتی ہیں۔ وہ علاج کے نام پر عورتوں کی عزت سے کھیلتے ہیں اور اپنی ہوس پوری کرتے ہیں۔ پیر بھوپہ ایک ایسا کردار ہے جو اس عہد میں رائج فرسودہ روایات کی نمائندگی کرتا ہے وہ معاشرے کا ایک مکروہ چہرہ ہمارے سامنے رکھتا ہے۔ کم عقل اور بے شعور اور کمزور ایمان رکھنے والے لوگوں کے جذبات سے کھیلتا ہے۔ ناول نگار نے پیر بھوپے کے آستانے کی تصویر بہترین انداز میں قاری کے سامنے رکھی ہے:

"مڑیچی والا بھوپے کے وسیع آستانے میں تمام آوازیں خاموش ہو گئی تھیں۔ سوائے ڈھول کی تھاپ اور دھنادین کی تھاپ کے، جس نے وہاں سب کو اپنے تال کے سحر میں جکڑ رکھا تھا کہ تماشائیوں کے دل بھی اس کی تھاپ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ڈھول۔ خشک جلد پر تھاپ کے ساتھ دانادان پیش کیے جا رہے تھے۔ اور جن کو دیکھا جا رہا تھا وہ خوبصورت عورتیں تھیں۔ کچھ اٹھارہ، کچھ بیس اور کچھ بائیس سال کی تھیں۔ چوک کا جسم، پھرالٹے جیسی گردنیں، اپنے سر کے لمبے لمبے بالوں کو ڈھول کی آواز کی بمباری میں وقتاً فوقتاً گھڑی کے کام کی طرح گھما رہا تھا، جیسے کالی چھتریاں جادو سے خود بخود کھلتی اور بند ہو رہی تھیں۔ جیسے جیسے ڈھول کی تھاپ تیز سے تیز ہوتی گئی، ابرو پر کنواریوں کی گردنیں بھی بلند ہوئیں۔"(8)

ناول نگار نے بڑے بے باک اور حقیقت پسندانہ جرات کے ساتھ ان رسوم و روایات کو بیان کیا ہے جو اس دور کی ثقافت کا اہم پہلو رہی ہیں مہراں کا بھوپے کے آستانے پر جن نکلوانے کے نام پر جنسی تسکین کا عمل اور اس غلط تعلق کے بارے میں بیان کرنا ناول نگار کی حقیقت پسندانہ سوچ کی عکاسی کرتے ہیں۔ انہوں نے حقائق کو جھوٹ کے لبادے میں خوبصورت اور دلکش بنا کر پیش کرنے کے بجائے ایمانداری اور سچائی کے ساتھ سپرد قلم کیا ہے۔ان کی تحریر بناوٹ سے بالکل پاک ہے۔وہ بڑی بے باکی سے حقائق کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور کہیں بھی جھوٹ کا سہارا نہیں لیتے۔

وادھو کے رویے کے بعد مہراں کا بھوپے کے آستانے پر آنا اور جن نکلوانے کے نام پر اپنی مرضی سے بھوپے اور اس کے کارندوں کی جسمانی ہوس کا نشانہ بننا اور اپنے اس عمل پر شرمندہ ہونے کے بجائے سینہ تان کر وادھو کے سامنے کھڑے ہو جانا اس کو اس کی کمی کا احساس دلانا اور وادھو کا مرد ہوتے ہوئے بھی اس غلیظ حرکت پر خاموشی اختیار کرنا ان تمام حقائق کو بیان کیا ہے۔انہیں اس بات کا احساس تک نہ تھا کہ اپنی نسل کو آگے بڑھانے کے نام پر یہ عمل کتنا غلیظ اور ناپاک ہے لیکن شاید ان کے احساس اور ضمیر مر چکے تھے اور اس دور میں اس عمل کو ناجائز نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن ہمارے معاشرے میں اس عمل کو ٹھیک تصور نہیں کیا جاتا ہے۔ناول نگار بھوپے کے آستانے سے جن نکلوا کر آنے کے بعد مہراں کی کیفیت کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"بھوپا انسانوں کے اس گروہ کا نمائندہ تھا جو کائنات میں موجود حسن کی پرستش نہیں کرتا۔اس کے لیے روتا بسورتا نہیں ٹھنڈی آہیں نہیں بھرتا، شاعری نہیں کرتا ،موتی جیسے لفظوں کے ساتھ بنا سجا کر کہانیاں نہیں لکھتا ہجر کی لمبی راتوں میں جاگ جاگ کر محبوب کی آرزو میں لمحہ لمحہ مرتا نہیں بلکہ قبضہ گیر اور تصرف پسند فطرت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کمینگی کی موثر قوت کے بل بوتے پر ہر مطلوب شے کو اپنی گرفت میں لے کر کاٹھ کباڑ بنا دینا اپنا حق سمجھتا ہے۔"(9)

ناول نگار نے ریاست بہاولپور میں اس وقت کی طرز معاشرت کے بیان کے ذریعے لوگوں کے رہن سہن اور سوچ کو سمجھنے میں قاری کی مدد کی ہے۔فیاض اس ناول کا تہذیبی کردار ہے جو اپنے پیشے سے بہت مخلص ہے۔اور چاہتا ہے کہ حکیم رام لعل بھی پوری ایمانداری سے اپنا کام کریں۔جب نوجوان لڑکیاں بنا کسی بیماری کے حکیم صاحب کی دکان کے چکر لگاتی رہتی ہیں تو فیاض کو الجھن ہوتی ہے۔اس دور میں رواج تھا کہ لڑکیوں کو بلاوجہ گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ فیاض حکیم صاحب سے اپنی الجھن کا اظہار کرتا ہے کہ نوجوان لڑکیاں آپ کے شفاخانے میں ایسے ہی آ جاتی ہیں، نہ تو وہ بیمار ہیں، میں ان کو کس بیماری کی دوا دوں۔ حکیم صاحب اسے سمجھاتے ہیں کہ جوان لڑکیاں بس گھروں سے نکلنے کے بہانے تلاش کرتی ہیں اور بیماری کا بہانہ بنا کر گھروں سے باہر نکل آتی ہیں۔ چلو اسی بہانے ہمارا کام بھی چلتا رہتا ہے ان کو پھکی کی دو پڑیاں دینے میں ہمارا کیا جاتا ہے۔ لیکن فیاض کو لڑکیوں کا یہ رویہ نامناسب لگتا ہے۔ حکیم صاحب اسے سمجھاتے ہیں۔ یہ اس دور کی حقیقت تھی اور ناول نگار نے اس حقیقت کو زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے:

"ان لڑکیوں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ نہیں ہوتی کہ وہ گھر سے نکلیں اور باہر کی ہوا لگائیں۔اسی لیے بیماری کا بہانہ بنا کر ہمارے پاس آتی ہیں۔بچوں کی بے ایمانی بھی ایک بیماری ہے اگر ہم لوگ۔اس کا علاج دو قطرے سے کریں تو کچھ نہیں۔ ہمارے لیے بدتر ہو جائے گا، یہ ٹھیک ہو جائے گا۔اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو کوئی اور کرے گا۔ہم اپنی روزی کو لات ماریں گے اور گاہک کو خراب کر دیں گے۔"(10)

محمد حفیظ خان ایک منفرد اسلوب رکھنے والے لکھاری ہیں۔انہوں نے جب بھی کسی موضوع پر قلم اٹھایا تو تمام حقائق کو سچائی، خوبصورتی اور مہارت سے بیان کیا۔انہوں نے اپنے ناولوں میں مختلف خطوں کی ثقافت اور تہذیب کے ہر پہلو کو قاری کے سامنے رکھنے کی کوشش کی۔فیاض کی الگ پہچان کی خواہش کے سفر سے لے کر آخری سانس لیتی اس کی لاش تک، مہراں کی وادھو کے ہاتھوں بے قدری سے بھوپے کے آستانے پر عزت گنوا دینے تک، تلسی کی خاموش محبت سے وطن چھوڑ جانے تک، سب داستان ناول میں ملتی ہے۔

وادھو ایسے مرد کا کردار جو اپنے وجود کی قدر و منزلت اپنی آنا کی تسکین اور اپنی کمی کو چھپانے کے لئے اپنی خوبصورت بیوی مہراں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتا ہے۔تاکہ اپنی کمی کو چھپا کر معاشرے میں اپنا ناک اونچا کر کے چل سکے۔ فیاض جو اپنی شناخت اور پہچان کو تلاشنے میں سرگرداں ہے ساری زندگی اسی بحران پر قابو پاتے گزار دیتا ہے۔اس کی زندگی میں بہت سی عورتیں آتی ہیں پر وہ تہذیب کے دائرے میں رہتا ہے۔لاکھ قرب کی خواہش رکھنے کے باوجود نفس کے

گھوڑے کو بے لگام نہیں ہونے دیتا۔ فیاض ایک ایماندار لڑکا ہے لیکن دنیاوی حقائق اسے سوچ کے گرداب میں پھنسا دیتے ہیں وہ اپنی پہچان اور شناخت کو تلاش کرنے کے لئے حکیم رام لعل کے پاس آتا ہے لیکن ان کا رویہ بھی اسے مایوس کر دیتا ہے۔ حکمت جیسے مقدس پیشے کے ساتھ بے ایمانی اسے گوارہ نہیں:

"وہ حیران تھا کہ کیسے لوگ ہیں اس کے اطراف میں بغیر کسی پہچان کے زندگی بسر کرنے والے لوگ مگر ہر کسی نے اپنی اپنی پہچان کے ٹوکرے سر پر اٹھا رکھے تھے۔ ایک جانب اس ریاست کا حاکم ہے کہ جس نے پندرہ لاکھ ریاستی آبادی کی تقدیر کا فیصلہ صرف اپنی ہاں یا نہ سے کرنا ہے۔ دوسری طرف اس کا باپ ہے جس نے ساری زندگی نواب صاحب کے فوجی بینڈ کی دھنوں پر ٹانگیں کھڑکاتے ہوئے گزار دی ہے اور اب اپنی اگلی نسل کو بھی اسی معلی کا ناچا بنانا چاہتا ہے۔ ایک یہ حکیم صاحب ہیں کہ جن کی قابلیت کا ایک جہان گواہ ہے مگر وہ اسی جگ جہاں کے ساتھ دھوکا کر رہا ہے۔"(11)

دوسری طرف ودھو کی بیوی مہراں ایسا نسوانی کردار جو اپنے شوہر کو نیچا دکھانے اور اولاد کی خواہش کو پورا کرنے اپنی نسوانیت کی تسکین کے لیے ایک صدیوں پرانی بے ہودہ ریت ءہڈی بدلنا' پر تیار ہو جاتی ہے سادھو کی ماں جب مہراں کو لے کر فیاض حکیم کے پاس آتی ہے۔ اسے اس ریت کے لیے تیار کرنا چاہتی ہے تو فیاض بھڑک جاتا ہے کہ وہ کبھی اس غلیظ حرکت کے لیے آمادہ نہیں ہوگا، یہ کیسی رسم ہے کہ اولاد کی لالچ میں اپنی بہو بیٹی کو کسی غیر مرد کو حوالے کر دینا اور کیسی ہیں وہ عورتیں جو اپنے خاندان کے وقار اور معاشرے میں اپنی عزت رکھنے کے لیے ایسی غلیظ رسم کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔ ماں اور بیٹے کے درمیان اپنی ناک کو برقرار رکھنے کے لیے یہ بحث دیکھیے:

"پتر تجھے کیسے سمجھاؤں ہڈی بدلنا۔۔۔اڈھیر عمر عورت سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ 'بہت پرانی ریت ہے، صدیوں پرانی۔ ہے تو نرا زہر کا گھونٹ مگر کیا کروں وادھو کی نسل کو بھی تو آگے چلانا ہے۔ بیٹا یہ ہوئی انوکھی بات نہیں جو میں طے کر کے بیٹھی ہوں اپنی بہو کا گھر بچانے کے واسطے۔ وادھو کو اچھا بھلا پتہ ہے جو کمی قصور اسی میں ہے پھر بھی اپنے پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہا مردوں کا وسیب جو ہوا، ماریں بھی سہیں اور تڑپنے بھی نہ دیں۔ الٹا مہراں بے چاری کو طلاق دینے پر تلا ہوا ہے۔ اب تو ہی بتا میں مجبور ہو کر تم سے اپنے خاندان کے وارث کی بھیک مانگنے نہ آؤں تو کس کے در پر جاؤں۔' کتنی غلیظ حرکت ہے۔ کتنی بے غیرتی ہے۔"(12)

ناول میں مہراں اور تلسی کی عائلی زندگی کو بھرپور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان دونوں کرداروں سے جڑے واقعات و حالات کے تخلیقی بیان اس دور کی تہذیب و ثقافت کی بے حسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تلسی اور فیاض کے رومانی تعلق پر فیاض کا ردعمل، وادھو کی ماں کی خواہش اور مہراں کی اولاد کی چاہت پر فیاض کا غصہ، سوڈھی کا رویہ اور تلسی کا خوف وادھی اور حکیم رام لعل کا حقیقت سے نظر چرانا اس دور کی تہذیب اور ثقافت کو بیان کرتا ہے۔ محمد حفیظ خاں ان کرداروں کے ذریعے اس دور کی تاریخی اور تہذیبی حقیقتوں کو قاری کے سامنے پوری سچائی سے رکھتے نظر آتے ہیں۔ یہ حقائق بہت تلخ ہیں لیکن بیان کیے جانے کے قابل ہیں۔ ناول نگار کا کام اپنے عہد کی سچائیوں اور حقائق کو پوری ایمانداری سے بیان کرنا ہوتا ہے اور محمد حفیظ خان یہ ہنر بخوبی جانتے ہیں۔

محمد حفیظ خان نے وادھو کے کردار کے ذریعے معاشرے کے ان انا پرست کرداروں کی نشاندہی کی ہے جو اپنی کمیوں اور خامیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمیشہ بے اولادی کے لیے عورت کو ہی مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ عورت ذات کو ہی کمزور اور بے بس تصور کرتے ہوئے اس پر الزام تراشی کی جاتی ہے اسے بنجر زمین اور بانجھ پن کے طعنے دیئے جاتے ہیں اور یہ بے حس مرد اساس معاشرہ اس کے لیے عورت کی زندگی کو اجیرن بنا دیتا ہے۔ ساسیں بھی اپنی بہوؤں کو کبھی بھی بیٹیوں کا درجہ نہیں دیتیں۔ ان پر ہی بے اولادی کا الزام لگاتی ہیں اور پیروں فقیروں کے ڈیروں کے چکر لگانے لگتی ہیں۔

وادھو کی ماں بھی بہو کو ساتھ لیے ایک پیر کے ڈیرے پر جاتی ہے جو کہ ایک ڈھونگی اور جعلی ہوس پرست پیر ہے دوسروں کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھاتا ہے اور اس علاقے کے لوگوں کی ضعیف الاعتقادی کا فائدہ اٹھا کر لڑکیوں کی عزتیں پامال کرتا ہے اور عورتوں کی کم عقلی کہ اللہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے ایسے جعلی پیروں کے چنگل میں پھنس کر اپنے گھر کی بہو بیٹیوں کی زندگیاں برباد کر دیتی ہیں۔ وادھو کی ماں بھی مہران کو اپنی مرضی سے اس پیر کے ڈیرے پر چھوڑ آتی ہے۔ جو نہ صرف خود بلکہ اس کے کارندے بھی رات بھر مہراں کے جسم کو نوچتے ہیں اور اگلی صبح وادھو کی ماں بے حال مہراں کو لے کر گھر آ جاتی ہے۔ ایسی ضعیف الاعتقادی کو ناول نگار نے بڑے بے باک انداز میں بیان کیا ہے۔ ایسی تلخ حقیقت جو اس تہذیب اور ثقافت کا حصہ رہی ہے اور تاریخ کا ایک تاریک پہلو ہے عورت ہی عورت کی

دشمن ہے اپنی نسل کو آگے بڑھانے کے لیے، اپنے بیٹے کی انا کا پرچم بلند کرنے کے لیئے، اپنے خاندان کی عزت اور وقار کو قائم رکھنے کے لیے اپنے ہی جیسی عورت کی عزت کو داؤ پہ لگا دیتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں مرد اولاد کی خواہش تو رکھتا ہے لیکن اپنی خامی اور کمزوری کو کسی طور پر بھی مانتا نہیں۔ وہ بے اولادی کا ذمہ دار عورت کی ہی ٹھہراتے ہیں "ادھ ادھورے لوگ" میں وادھو بھی ایک ایسا ہی کردار ہے۔ جس میں باپ بننے کی صلاحیت موجود نہیں لیکن وہ اپنی کمی کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ جب وادھو کی ماں دھچر کو اپنے گھر کے حالات اور وادھو کی سوچ کے بارے میں بتاتی ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے کہ اتنی خوبصورت بیوی کے ساتھ وہ اتنا برا سلوک کیوں روا رکھتا ہے اور اپنا علاج کرانے کے بجائے مہراں کی زندگی کو اجیرن کیا ہوا ہے اور اب اسے طلاق دینے کے بارے میں سوچ رہا ہے:

"وادھو کیا کر رہا ہے اپنے ساتھ اور اس بے چاری لڑکی کے ساتھ۔ اب بھی وہ اس کا گلا نہ پائے تو اور کیا کرے۔ میرے نزدیک تو یہ مہراں کی شرافت ہے کہ اس نے اب تک ادھر ادھر منہ نہیں مارا و گرنہ اس میں کوئی کمی تو نہیں. خواہ مخواہ ذلیل کیا ہوا ہے۔ علاج کرائے تو اپنا کرائے نہیں تو جان چھوڑے اس کی، کاغذ دے۔ یہ سبھی سوال دھچر کی صورت پر صاف پڑھے جا رہے تھے۔"(13)

معاشرے کے نظریات، عقائد اور افکار معاشرے کی بنیاد بناتے ہیں۔ ان میں پائی جانے والی تفریق ثقافتی اختلافات کا سبب بن جاتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی ماضی کی تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ہر دور میں اس میں تہذیب و تمدن کے مختلف مظاہر نمودار ہوتے رہے ہیں۔ وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ ثقافت میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ مختلف ادوار میں رونما ہونے والے واقعات نے ہماری تہذیب و ثقافت پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ جہاں تک اردو ناول کا تعلق ہے تو مختلف ادیبوں کے ناولوں میں تہذیب و ثقافت کی خوبصورت عکاسی کے رنگ دیکھے جا سکتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں تہذیب و تمدن کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ بھرپور انداز میں بیان کیا ہے۔

محمد حفیظ خان نے اپنے ناول "ادھ ادھور لوگ" میں ریاست بہاولپور کے سیاسی، سماجی، مذہبی اور ثقافتی مظاہر کا ماہرانہ انداز میں تجزیہ کیا ہے اور تمام حقائق بیان کیے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ہم اس ناول کے تمام کرداروں اور حالات و واقعات کو اپنے معاشرے میں بھی ہوتے دیکھتے ہیں۔ محمد حفیظ خان نے اس ناول میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ اس نے قاری کو سماجی روایات اور ثقافت سے جوڑنے کی کوشش کی ہے تو دوسری طرف قاری کو تمام ضروری سامان فراہم کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ انہوں نے معاشرے کے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ثقافتی حالات و واقعات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اپنے ناول کو دستاویزی مقام و مرتبہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ اس میں کامیاب رہا ہے۔

حفیظ خان نے بہاولپور کے نوابوں کی زندگی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔ اس وقت کے عام آدمی کو درپیش مسائل، مصائب اور آزمائشوں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے بڑی مہارت اور خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ انھوں نے ریاست بہاولپور کی تاریخ، اپنی تہذیب و ثقافت کو ایک الگ پہچان دلانے کی جنگ میں ریاست بہاولپور کے لوگوں کی مخلصانہ کاوشوں، ان کی زندگیوں میں درپیش مسائل، خواہشات کی بے دردی سے موت اور ٹوٹنے کی داستان بیان کی۔ ریاست بہاولپور کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے احساسات، خیالات، جذبات اور احساسات، ان کی قربانیوں، مشکلات، مصائب اور مسائل کو بڑی مہارت سے بیان کیا ہے جو اپنی شناخت اور تہذیب کو بچانے کے لیے نوجوانوں، خواتین، بچوں اور بزرگوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنی جوانی بہادی۔ وہ اپنے گھر چھوڑ گئے۔

حوالہ جات

1۔ زبیر رانا، داستانِ ثقافت، جلد اوّل، مصباح سنز پبلشرز، لاہور، 1988ء، ص:23

2۔ ارشد محمود، ثقافتی گھٹن اور پاکستانی معاشرہ، سٹی پریس شاپ، کراچی، 2009ء، ص:35

3۔ محمد حفیظ خان، ادھ ادھورے لوگ، مکتبہ جدید پریس، لاہور، 2019ء، ص:44

4۔ ایضاً، ص ص:31 32

5۔ ایضاً، ص:121

6۔ ایضاً، ص:93

7۔ ایضاً، ص:92

8۔ ایضاً، ص:98

9۔ ایضاً، ص:107

10۔ ایضاً، ص:169

11۔ ایضاً، ص:68

12۔ ایضاً، ص:80

13۔ ایضاً، ص:60